

# پاپائے روم کا پیغام اور اس کا جواب

[ پچھلے ماہ دسمبر میں رومن کیتھولک چرچ کے پوپ کا ایک پیغام جو تمام دنیا کی دینی جماعتوں کے سربراہوں کے نام جاری کیا گیا تھا، مجھے بھی وصول ہوا تھا۔ اس کا جو جواب میں نے دیا ہے اسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ (ابوالاعلیٰ)

## پوپ کے پیغام کا خلاصہ

”ہم دنیا کے تمام خیر اندیش انسانوں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ دنیا بھر میں نئے سال کے پہلے دن، یکم جنوری کو یوم امن منائیں۔ ہمارا خیال ہے کہ بحالات موجودہ امن کی ضرورت اور اس کے فقدان سے پیدا شدہ خطرات کو وہ ساری قومیں، بین الاقوامی مذمتی تنظیمیں اور تہذیبی و سیاسی تحریکیں محسوس کر رہی ہیں جن کا مطمح نظر عالمی قیام امن ہے اور جو اسی کے لیے کوشاں ہیں۔ . . . .

قیام امن کی راہ میں جو موانع درپیش ہیں، ان کا ازالہ ضروری ہے۔ ان موانع میں سے چند ایک یہ ہیں کہ اقوام عالم باہمی تعلقات میں خود غرضی برت رہی ہیں۔ بعض آبادیاں اس احساس کی شکار ہیں کہ انہیں عزت و شرف اور وقار کی زندگی بسر کرنے کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے، اور اس حق کے عدم اعتراف کی وجہ سے یہ لوگ سرکبت ہو کر تنگ آمد بھنگ آمد کی روش اختیار کر چکے ہیں۔ یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ بین الاقوامی تنازعات عدل و انصاف اور آپس کی گفت و شنید کے معقول ذرائع سے طے نہیں کیے جاسکتے، بلکہ انہیں قاضی شمشیر کے حوالے کر دینا ضروری ہے جو خون ریزی اور قتلِ انسانی کے غیر محدود آلات و وسائل استعمال کر سکتا ہے۔ . . . .

امن و سلامتی اور بقائے باہمی کے لیے ناگزیر ہے کہ نئی نسلیں کو رواداری، اخوت اور عالم گیر معاہدت کی تربیت دی جائے۔ . . . . امن و امان محض تقاضیوں سے قائم نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کا زبانی جمع خرچ بظاہر

خوش آسند نظر آتا ہے کیونکہ یہ انسانیت کے دل کی آواز ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر یہ چیز نہ صرف بے عملی اور عدم خلوص کو چھپانے کے لیے ایک بادلے کا کام دیتی ہے بلکہ بسا اوقات جانبداری اور ظلم و تعدی کی آلہ کار بن جاتی ہے۔ جب تک ریاستیں ایک دوسرے کے ساتھ، اور مختلف ریاستوں کے اندر خود ان کے حکام اور شہری ایک دوسرے کے ساتھ محبت، اخلاص اور انصاف کو اپنا حقیقی شعار نہ بنائیں، اور جب تک افراد اور اقوام کو تہذیبی، اخلاقی اور مذہبی اُردو میں قبول و عمل کی آزادی حاصل نہ ہو۔ اس وقت تک امن کی باتیں کرنا بالکل بے معنی اور لاف حاصل ہے۔ آزادی اور سلامتی کے ان لوازم کے بغیر اگر محض تغلب و تسلط کے ذریعہ سے امن و امان اور قانونی نظم و نسق کا ظاہری ڈھانچہ قائم بھی ہو جائے، تب بھی بیجان و بناوٹ اور جنگ و جدال کا ایک لامتناہی اور ناقابلِ تسخیر سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

## جواب

چند روز پہلے مجھے ڈاکٹر آرا سے ٹیلر، ڈائریکٹر ٹو ٹیو لہا ل، لاہور کے توسط سے آپ کا وہ نہایت قابلِ قدر پیغام پہنچا جس میں آپ نے شے سال کا آغاز ایک "یوم امن" کی تقریب سے کرنے کی اپیل کی تھی جو چرچ کے معتقدین کے علاوہ تمام دنیا کے بڑے بڑے اربان کے پیروں اور تمام نیک خواہشات رکھنے والے لوگوں سے کی تھی۔ اس پیغام کے متعلق میں اپنے خیالات آپ تک جلدی پہنچانا چاہتا تھا، مگر رمضان اور عید الفطر کی مصروفیات اس میں مانع بنیں۔ اب پہلی فرصت میں میں آپ کو خطاب کر رہا ہوں۔

میں آپ کو اس بات پر مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے ایک ایسے مقصد کی طرف دنیا کے انسانوں کو دعوت دی جو سب کا مشترک مقصد ہے، اور ساتھ ساتھ ان اہم اسباب کی نشاندہی بھی کی جو اس مقصد کے حصول میں مددگار ہیں۔ فی الحقیقت امن ان اولین بنیادی ضروریات میں سے ہے جن پر نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کا انحصار ہے۔ مگر اس کی خواہش اور اس کی ضرورت کا احساس رکھنے کے باوجود جن وجوہ سے انسان ہمیشہ اس سے محروم ہوتا رہا ہے اور آج بھی محروم ہے وہ وہی وجوہ ہیں جن میں سے اکثر کی طرف آپ نے صحیح طور پر دنیا کے لوگوں کو توجہ دلائی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب تک عملاً انہیں رفع کرنے کے لیے کچھ نہ کیا جائے گا محض پاکیزہ خواہشات اور تمناؤں کے

اظہار سے کوئی امن دنیا کو میسر نہ آسکے گا۔ اس بنا پر میرے نزدیک یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص قوم مجرّمہ اقوام اور پیروان مذہب کا گروہ پڑے خلوص اور دیانت کے ساتھ خود اپنا محاسبہ کر کے دیکھے کہ اس کی اپنی کتابیاں کیا ہیں جو اس کے ابنائے نفع کو اور بالآخر خود اس کو امن سے محروم کرنے کی موجب ہوتی ہیں، اور جہاں تک بھی اس کے امکان میں ہو ان کو رفع کرنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح ہم میں سے ہر ایک کو پوری صاف گوئی کے ساتھ، اصلاح کی نیت سے، نہ کہ مخفی پیدا کرنے اور بڑھانے کے لیے، دوسرے گروہوں کے نیک نیت لوگوں تک یہ بات پہنچانی چاہیے کہ ان کے طرز عمل میں کیا چیزیں ایسی ہیں جو اس کے گروہ کے لیے موجب اذیت ہوتی ہیں تاکہ وہ انہیں رفع کرنے کی کوشش کر سکیں۔

ٹھیک اسی غرض کے لیے میں آپ کو چند ایسے امور کی طرف توجہ دلا رہا ہوں جو مسلمانوں کے لیے اپنے مسیحی بھائیوں سے وجہ شکایت ہیں تاکہ کئیھو تک چرچ کے پیشوائے اعظم ہونے کی حیثیت سے جو غیر معمولی اثر و رسوخ آپ کو مسیحی دنیا میں حاصل ہے اس سے کام لے کر آپ ان کی اصلاح کے لیے سعی فرمائیں۔ اور میں اس بات کا خیر مقدم کروں گا کہ ہمارے مسیحی بھائیوں کے لیے ہمارے طرز عمل میں اگر کوئی چیز معقول وجہ شکایت ہو تو وہ ہمیں بتائی جائے۔ ہم انشاء اللہ ان کو رفع کرنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے۔ دنیا میں امن اور صلح، آشتی کی فضا پیدا کرنے میں ہم سب اسی طرح مددگار بن سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کریں۔ دوسروں سے فیاضانہ سلوک کرنے کی فراخ حوصلگی اگر ہم میں موجود نہ تھی ہو تو کم از کم انا تو ہو کہ دوسروں کی حق تلفی کرنے یا ان کو اذیت دینے سے تو ہم باز رہیں۔

مسیحی بھائیوں کے طرز عمل میں جو امور کسی ایک ملک یا قوم کے نہیں، پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے وجہ شکایت ہیں، انہیں میں کسی لاگ لپیٹ کے بغیر مختصراً آپ سے بیان کیے دیتا ہوں۔

۱۔ ایک مدت دراز سے مسیحی اہل علم اپنی تحریروں اور تقریروں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور اسلام پر جو حملے کر رہے ہیں اور آج بھی جن کا سلسلہ جاری ہے، وہ مسلمانوں کے لیے انتہائی موجب اذیت ہیں میں "حملے" کا لفظ قصداً استعمال کر رہا ہوں، تاکہ آپ کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہماری شکایت معقول علمی تنقید کے خلاف ہے۔ علمی تنقید اگر دلیل کے ساتھ اور ہنر مند و شائستگی کے حدود میں ہو تو خواہ وہ کیسے ہی سخت

اقتراضات پر مشتمل ہو، ہم اس پر برا نہیں مانتے بلکہ اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور دلیل کا جواب دلیل سے دینے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ہمیں بجا طور پر شکایت اُن حملوں کے خلاف ہے جو جھوٹے اور رکیک الزامات کی صورت میں اور نیا بیت دل آزار زبان میں کیے جاتے رہے ہیں اور اب تک کیے جا رہے ہیں۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، وہ حضرت مریم عیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتہائی ادب و احترام محفوظ رکھتے ہیں اور ان کے متعلق کوئی خلاف ادب بات زبان سے نکالنا ہمارے عقیدے میں کفر ہے۔ آپ کوئی مثال ایسی نہیں پاسکتے کہ کسی مسلمان نے کبھی سیدنا مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی شان میں کوئی بے ادبی کی ہو۔ اگرچہ ہم حضرت مسیح کی اُلوتیت کے قائل نہیں ہیں مگر ان کی نبوت پر ہمارا ویسا ہی ایمان ہے جیسا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہے، اور کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُن پر اور دوسرے انبیاء پر بھی ایمان نہ لائے۔ اسی طرح ہم صرف قرآن ہی کو نہیں بلکہ توراہ اور انجیل کو بھی خدا کی کتابیں تسلیم کرتے ہیں اور کوئی مسلمان ان مقدس کتابوں کی توہین کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ ہماری طرف سے اگر کبھی کوئی بحث ہوئی ہے تو اس حیثیت سے ہوئی ہے کہ بائبل جس شکل میں اب پائی جاتی ہے یہ کہاں تک مستند ہے، اور یہ بحث خود مسیحی علماء بھی کرتے رہے ہیں۔ لیکن کسی مسلمان نے کبھی اس کا انکار نہیں کیا کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور بائبل کے دوسرے انبیاء پر اللہ کا کلام نازل ہوا تھا، اور مسلمان چاہے یہ بات نہ مانتے ہوں کہ اس وقت پائی جانے والی پوری بائبل اللہ کا کلام ہے، مگر یہ ضرور مانتے ہیں کہ اس میں اللہ کا کلام موجود ہے۔ لہذا ہمارے مسیحی بھائیوں کو ہم سے یہ شکایت کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا ہے کہ ہم اُن کے انبیاء کی، یا اُن کی کتب مقدسہ کی توہین کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے ہمیں آئے دن ان سے یہ سچ پہنچتا رہتا ہے، اور صدیوں سے اس دل آزاری کا سلسلہ چل رہا ہے کہ ان کے مصنفین اور مقررین ہمارے نبی اور ہماری کتاب مقدس اور ہمارے دین پر سخت حملے کرتے ہیں۔ دنیا کی اسلامی اور مسیحی برادریوں کے درمیان تعلقات کی خرابی کا یہ ایک اہم سبب ہے۔ اس سے شدید باہمی منافرت پیدا ہوتی ہے، اور مزید براں اس ناروا پروپگنڈے کا لازماً نتیجہ بھی ہوتا ہے کہ مسیحی عوام کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و تحقیر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ آپ دنیا کے امن کی بہت بڑی خدمت انجام دیں گے اگر مسیحیت کے پیروؤں کو اس طرز عمل میں کم از کم اتنی اصلاح کر لینے کی نصیحت کریں کہ یہ دل آزاری اور نفرت انگیزی کی حد تک نہ پہنچے۔

۲۔ مسیحی مشن اور مشنری ایک مدت دراز سے مسلم ممالک میں مسیحیت پھیلانے کے لیے جو طریقے استعمال کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں، وہ بھی دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک بڑی وجہ شکایت ہیں۔ دوسرے ملکوں اور آبادیوں میں ان کا جو طریقہ عمل بھی ہو، اس سے ہمیں کوئی بھت نہیں۔ مگر مسلمان ملکوں اور آبادیوں میں ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ انہوں نے محض "تبلیغ" پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ اس سے تجاوز کر کے دوسرے متعدد ایسے طریقے اختیار کیے ہیں جو تبلیغ کے بجائے سیاسی دباؤ، معاشی طمع و تحریص، اور اخلاقی و اقتصادی تخریب کی تعریف میں آتے ہیں جنہیں مشکل ہی سے کوئی معقول آدمی اشاعتِ مذہب کے جائز ذرائع تسلیم کر سکتا ہے۔ افریقہ کے ایک بڑے حصہ میں انہوں نے استعماری طاقتوں کی مدد سے مسلمانوں کو تعلیم سے محروم کیا، اور درسگاہوں کے دروازے ہر اس شخص پر بند کر دیئے جو مسیحیت قبول نہ کرے، یا کم از کم اپنا اسلامی نام ترک کرے۔ اس طریقے سے جو اثر مسیحی اقلیت پیدا کی گئی، آزادی کا دور آنے کے بعد آج وہ بہت سی ایسی افریقی ریاستوں پر سیاسی، فوجی اور معاشی حیثیت سے غالب ہے جن کی بیشتر آبادی مسلمان ہے۔ یہ ایک صریح نا انصافی تھی جو مسلم اکثریت رکھنے والے افریقی ملکوں کے ساتھ کی گئی۔ سوڈان میں برطانوی استعمار کی مدد سے مشنریوں نے جنوبی حصے کو اپنے لیے "محموظ علاقہ" بنا لیا جس میں تعلیم اور تبلیغ کا حق صرف مسیحی مشنریوں کے لیے مختص کر دیا گیا اور مسلمانوں کے لیے تبلیغ تو درکنار دوسری اغراض تک کے لیے وہاں جانے پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کو کسی دلیل سے بھی اشاعتِ مذہب کا جائز و معقول طریقہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ خود ہمارے ملک میں مشن ہسپتالوں اور درسگاہوں کا معروف طریقہ کار یہ ہے کہ وہ مسلمان مریضوں اور طلبہ سے بے تمنا فیس وصول کرتے ہیں، اور جو غریب آدمی عیسائیت قبول کرے اسے علاج اور تعلیم کی سہولتیں مفت یا برائے نام خرچ پر بہم پہنچاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تبلیغ نہیں بلکہ ضمیر و ایمان کی خرید و فروخت ہے۔ علاوہ بریں ان کی درسگاہیں ہمارے ہاں ایک ایسی نسل تیار کر رہی ہیں جو نہ مسیحیت اختیار کرتی ہے نہ مسلمان رہتی ہے، بلکہ اپنے اخلاق و تہذیب، زبان اور طرز زندگی کے اعتبار سے ایک اجنبی عنصر بن کر رہ جاتی ہے، اور مذہبی حیثیت سے اس کے اندر مسیحیت یا اسلام کے بجائے الحاد و بے دینی کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ کیا کوئی معقول آدمی یہ مان سکتا ہے کہ یہ مذہب کی کوئی خدمت ہے جو مسیحی مشن انجام دے رہے ہیں؟ یہی وجہ ہیں جن کی بنا پر مسلمان ملکوں میں عموماً ان مشنوں کو مذہبی تبلیغ کے بجائے اسلام اور مسلم معاشرے کے خلاف ایک

سازش سمجھا جاتا ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس کے نتائج پر غور فرمائیں اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے مشنری اداروں کے طرز تبلیغ میں اصلاح کی کوشش کریں۔

۳۔ مسیحی دنیا کے متعلق مسلمانوں کا عام احساس یہ ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک شدید جذبہ عناد رکھتی ہے، اور آئے دن ہمیں ایسے تجربات ہوتے رہتے ہیں جو اس احساس کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ اس کا تازہ ترین تجربہ وہ ہے جو ابھی حال میں عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں اسرائیل کی فتح پر یورپ اور امریکہ کے بیشتر ملکوں میں جس طرح خوشیاں منائی گئیں انہوں نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے دل میں زخم ڈال دیئے ہیں۔ آپ شاید ہی کوئی مسلمان ایسا پائیں گے جس نے عربوں کی شکست اور اسرائیل کی فتح پر مسیحی دنیا کے اس علی الاعلان اظہارِ مسرت و شادمانی اور اسرائیل کی کھلی کھلی حمایت کو دیکھ کر یہ محسوس نہ کیا ہو کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسیحیوں کے گہرے جذبہ عناد کا مظاہرہ تھا۔ فلسطین میں اسرائیل کی ریاست جس طرح بنی ہے، بلکہ بنائی گئی ہے، اس کی تاریخ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ دو ہزار برس سے فلسطین عرب آبادی کا وطن تھا۔ موجودہ صدی کے آغاز میں وہاں یہودی ۸ فیصدی سے زیادہ نہ تھے۔ اس حالت میں برطانوی حکومت نے اس کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کا فیصلہ کیا اور یہی اقوام نے نہ صرف اس فیصلے کی توثیق کی بلکہ برطانوی حکومت کو فلسطین کا مینڈیٹ دیتے ہوئے یہ پدایت کی کہ وہ یہودی آئینی کو باقاعدہ شریک حکومت بنا کر اس تجویز کو عملی جامہ پہنائے۔ اس کے بعد دنیا بھر کے یہودیوں کو لاکھوں ہجرتیوں سے فلسطین میں بسانے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا یہاں تک کہ ۳۰ سال کے اندر ان کی آبادی ۲۳ فیصدی تک پہنچ گئی۔ یہ ایک صریح ظلم تھا جس کے ذریعہ سے ایک قوم کے وطن میں زبردستی ایک دوسری اجنبی قوم کا وطن بنایا گیا۔ پھر ایک دوسرا اس سے بھی زیادہ ظالمانہ اقدام اٹھایا گیا اور امریکہ نے کھلے بندوں دباؤ ڈال کر اقوام متحدہ سے یہ فیصلہ کرایا کہ یہودیوں کے اس مصنوعی قومی وطن کو یہودی ریاست میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس فیصلے کی رو سے ۲۳ فیصدی یہودی آبادی کو فلسطین کا ۵۵ فیصدی، اور عربوں کی ۶۷ فیصدی آبادی کو ۴۵ فیصدی رقبہ الاٹ کیا گیا تھا۔ لیکن یہودیوں نے لڑکر طاقت کے بل پر اس ملک کا ۷۷ فیصدی رقبہ حاصل کر لیا اور ماژدھار اور قتل و غارت کے ذریعہ سے لاکھوں عربوں کو گھر سے بے گھر کر دیا۔ یہ ہے اسرائیل کی اصل حقیقت۔ کیا دنیا کا کوئی انسان پسند اور ایماندار آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک جائز ریاست ہے جو فطری اور منصفانہ طریق سے بنی ہے؟ اس کا تو

عین وجود ہی ایک بدترین جارحیت ہے۔ اور اس پر نزیح ظلم یہ ہے کہ یہودی صرف اُن حدود کے اندر محدود رہنے پر بھی راضی نہیں ہیں جو انہوں نے فلسطین میں زبردستی حاصل کی ہیں، بلکہ وہ ساہا سال سے علانیہ کہہ رہے ہیں کہ نیل سے فرات تک کا پورا علاقہ اُن کا قومی وطن ہے۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ قوم ہر وقت یہاں رہنا چاہتی رکھتی ہے کہ اس پورے علاقے پر جبراً قبضہ کرے اور اس کے اصل باشندوں کو زبردستی وہاں سے نکال کر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے یہودیوں کو وہاں لاکر بسائے۔ اسی جارحانہ اسکیم کا ایک جز گزشتہ ماہ جون کا وہ اچانک حملہ تھا جس کے ذریعہ سے اسرائیل نے ۲۶ ہزار مربع میل علاقے پر قبضہ کیا۔ اس پورے ظلم کی ذمہ دار مسیحی دنیا ہے۔ اُس نے ایک قوم کے وطن میں ایک دوسری قوم کا وطن زبردستی بنوایا اُس نے اس مصنوعی قومی وطن کو ایک ریاست میں تبدیل کر لیا۔ اُس نے اس جارح ریاست کو روپے اور سنبھاروں سے مدد دے کر اتنا طاقتور بنایا کہ وہ زبردستی اپنے توسیعی منصوبوں کو عمل میں لاسکے۔ اور اب اس ریاست کی نازہ فتوحات پر یہی مسیحی دنیا جشن شادمانی منا رہی ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد نہ صرف عربوں میں، بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں مسیحیوں کی انصاف پسندی، اُن کی خیراندیشی، اور مذہبی عناد و تعصب سے اُن کی بریت پر کوئی اعتماد باقی رہ گیا ہے؟ اور کیا آپ کا خیال ہے کہ دنیا میں امن قائم کرنے کے یہی طریقے ہیں؟ یہ دراصل ہمارا نہیں بلکہ آپ کا کام ہے کہ مسیحی بھائیوں کو اس روش پر نثرم دلائیں اور ان کی روح کو اس گندگی سے پاک کرنے کی کوشش کریں۔

۴۔ اس سلسلے میں ایک زیادتی ایسی بھی ہے جو خود آپ کی طرف سے ہو رہی ہے، اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ ہے اور آپ کو غالباً یہ احساس نہیں ہے کہ درحقیقت وہ ایک زیادتی ہے۔ میرا اشارہ آپ کی اس تجویز کی طرف ہے کہ قدیم بیت المقدس کو بین الاقوامی کنٹرول میں دے دیا جائے۔ آپ یہ تجویز شاید اس خیال سے پیش کر رہے ہیں کہ اس طرح یہ مقدس شہر لٹائی جھگڑے سے محفوظ رہے گا لیکن درحقیقت اس کا نتیجہ ایک اور ظلم کی شکل میں رونما ہوگا۔ ظاہر ہے کہ بین الاقوامی کنٹرول اسی بین الاقوامی ادارے کے ہاتھ میں ہوگا جس نے اسرائیل کی یہ مصنوعی ریاست بنائی ہے اور جو آج تک اسرائیل کی کسی جارحیت کو نہ روک سکا ہے، نہ اس کے ہو جانے کے بعد اس کا تدارک کر سکا ہے۔ اس ادارے کے کنٹرول میں جب یہ شہر آجنگا

تو وہ یہودیوں کے لیے بیت المقدس میں آباد ہونے کے دروازے اسی طرح چوپٹ کھول دے گا جس طرح مجلس اقوم کے انتداب کے تحت برطانوی حکومت نے یہودی ہاجرین کے لیے فلسطین کے دروازے کھولے تھے، اور پھر یہودیوں کو بیت المقدس کی زمینیں اور عمارتیں خریدنے کی وہی سب سہولتیں بھی فراہم کر دی جائیں گی جو برطانوی انتداب اس سے پہلے فلسطین میں ان کو فراہم کر چکا ہے۔ اس طرح تھوڑی ہی مدت کے اندر یہ شہر عملاً یہودی شہر بن جائیگا اور وہ یہودی اس پر قابض ہوں گے جن کے دلوں میں نہ سیحی مقدسات کا کوئی احترام ہے نہ اسلامی مقدسات کا۔ میں آپ کے پیغام کے جواب میں اس طویل مراسلے اور اس صاف گوئی پر معذرت خواہ ہوں۔ مگر میں آپ کو یہ بتانا اپنا فرض سمجھتا تھا کہ قیام امن کی اصل رکاوٹیں کیا ہیں جنہیں دور کرنے کے لیے عملاً کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ میں پھر اس بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ اگر اسلامی دنیا کی طرف سے کوئی ایسی بات ہو جسے امن عالم کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جائے تو وہ مجھے بتائی جائے مجھ کو جو تھوڑا بہت اثر دنیائے اسلام میں حاصل ہے اسے میں خود بھی اس رکاوٹ کے دور کرنے میں استعمال کروں گا اور دوسرے زعمائے اسلام کو بھی اس کی طرف توجہ دلاؤں گا۔

مجلس ترقی ادب کا سہ ماہی تحقیقی و علمی مجلہ

صحیفہ

زیر ادارت ڈاکٹر وحید قریشی

تازہ شمارہ آگیا ہے

خاص خاص مندرجات : • حنا لکھنوی کا نایاب دیوان • محمد سخاوت مرزا

• انیسویں صدی کا جنگ • مسکین مجازی

• خطی اور تعلق دور کے چند گنام فارسی شعراء ڈاکٹر نقیر احمد

قیمت فی شمارہ : ڈیڑھ روپیہ سالانہ چندہ : چھ روپیہ مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور



# اسلامی قانون تعزیرات

## حد، قصاص اور تعزیر میں فسق کے مختلف پہلو

ڈاکٹر عبدالعزیز عاشر

ترجمہ: معروف شاہ شیرازی

(۷)

حد اور قصاص کے درمیان اور حد اور تعزیر کے درمیان حکم میں کمی محیثیوں سے فرق ہے جن میں سے کچھ وجوہ

اختلاف یہ ہیں:

۱۔ شریعت نے حدود و قصاص کے جرائم میں قاضی کو یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ وہ مجرم کے لیے اپنی صوابدید سے کوئی سزا تجویز کرے یا اس کی مقدار متعین کرے، بلکہ اس نے ان جرائم کے لیے پہلے ہی سے سزائیں متعین کر دی ہیں اور ان کی ایک ہی انتہا حد ہے، اگرچہ ان میں سے بعض کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ دو انتہاؤں (حدوں) کی مشتمل ہو سکتی ہیں، مثلاً کوڑوں کی سزا۔ ان جرائم میں جب قاضی پر یہ ثابت ہو جائے کہ مجرم نے فی الواقع جرم کا ارتکاب کیا ہے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اسے شائع کی مقرر کردہ سزا دے۔ اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ اس میں کمی بیشی کرے، یا اس کو کسی اور سزا سے بدل دے، یا اس پر سزا کے اجراء کو موقوف کر دے۔ ایسے جرائم میں جرم کے حالات، یا مجرم کے حالات کسی طرح بھی تعین سزا پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ مثلاً اگر جرم مرتے کا ہے اور قاضی پر ثابت ہو جاتا ہے کہ مجرم نے فی الواقع اس جرم کا ارتکاب کیا ہے، خواہ یہ شہادتوں سے ہو یا اقرار سے، تو قاضی پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے۔ اگر جرم اپنی تمام شرائط اور ارکان (INGREDIENTS) کے ساتھ ثابت ہو گیا ہے تو جرم اور مجرم کے حالات کیسے بھی ہوں سزا قطعاً یہی ہوگی۔ اسی طرح اگر ازام قتلِ عمد کا ہے اور مخصوص طریقوں کے مطابق وہ قاضی کے سامنے ثابت ہو جاتا ہے تو اس پر لازم ہو گا کہ

وہ بطورِ قصاص اسے سزائے موت دے۔

مگر قصاص اور حد کے درمیان فرق یہ ہے کہ قصاص کے معاملہ میں اگر شخص متضرر یا اس کا ولی الدم سزا کو معاف کر دے تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ اس پر قصاص کا حکم جاری نہ کرے، البتہ اس صورت میں اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مجرم کو کوئی تعزیری سزا یا سزائیں دے جنہیں وہ مناسب سمجھتا ہو۔ اس فرق کی بنیاد یہ ہے کہ حدود بطورِ حق اللہ واجب ہیں اور قصاص بطورِ حقِ فرد واجب ہے۔ اس لیے خفدار کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ قصاص کا مطالبہ کرے یا مجرم کو معاف کر کے اپنا مطالبہ چھوڑ دے۔

تعزیرات کی صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلامی شریعت نے عمومی طور پر یہ تباہی ہے کہ کون سے افعال معاصی (CRIMES) ہیں اور مختلف تعزیری سزائیں بھی تباہی ہیں۔ اب اگر قاضی کے سامنے زیرِ تفتیش و تحقیق مقدمات میں کوئی قابلِ تعزیر جرم ثابت ہو جاتا ہے اور وہ اس کی صحت پر مطمئن ہو جاتا ہے تو اسے اختیار ہے کہ وہ مجرم کے لیے تعزیری سزائوں میں سے کوئی ایک یا کئی تعزیری سزائیں تجویز کرے جو مجرم اور جرم کے لیے مناسب ہوں۔ اس معاملہ میں اسے وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ وہ یہ اختیار بھی رکھتا ہے کہ سزا دیتے وقت مجرم کے حالات، اس کی شخصیت، اس کے سابقہ عمل اور سزائے اس کی اثر پذیری کے امکانات کو پیش نظر رکھے۔ اور اسے یہ اختیار بھی ہے کہ سزا تجویز کرنے میں جرم کے حالات اور معاشرے پر اس کے اثرات کو بھی ملحوظ رکھے۔ وہ ایک تعزیری سزا بھی دے سکتا ہے اور کئی سزائیں بھی دینے کا مجاز ہے اسے یہ اختیار بھی ہے کہ سزا کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار کے درمیان کوئی سزا تجویز کر دے، جو مجرم اور اس سے سرزد ہونے والے جرم کے لحاظ سے مناسب ہو۔ نیز اسے یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ سزا کو نافذ کرنے کا حکم دے یا اس کے نفاذ کو موقوف رکھے۔

یہاں باہمی النظر میں یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ قاضی کو جو اختیارات تفویض ہوئے ہیں وہ نہایت

تکٹمانہ (ARBITRARY) ہیں جن کے استعمال کے لیے نہ کوئی مقرر ضابطہ ہے نہ مزین کے لیے تحفظ کی کوئی ضمانت، اس لیے اس بات کا قوی امکان ہے کہ اگر قاضی جان بوجھ کر اپنے ذاتی میلان کی بنا پر ظلم بھی کرے تو اس کی ناواقفیت یا راستے کی غلطی سے ملزم کو نقصان پہنچ جاتے۔ لیکن قدرے تاثر اور غور و فکر سے

یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اندیشے بے بنیاد ہیں، اور انصاف کے لیے یہی طریقِ کار مناسب تر ہے، اور اسی طریقِ کار سے ہر معاملہ کی نوعیت کے مطابق مناسب سزا تجویز ہو سکتی ہے۔ اسلامی شریعت نے فی الحقیقت جرائم کو متعین کر دیا ہے، اور یہ تعین اگر چہ عمومی انداز میں ہے، لیکن اس کے لیے ایسے ضوابط موجود ہیں جو غلطی سے بچا سکتے ہیں۔ اسی طرح اس نے قابلِ تعزیر جرائم کی سزائیں بھی بیان کر دی ہیں جن کی تفصیلات آگے آرہی ہیں، اور قاضی اس بات کا پابند ہے کہ شریعت جن افعال کو مصیبت شمار کرتی ہے ان پر مشروع تعزیرات میں سے کوئی سزا دے جو زیرِ سماعت جرم کے حالات سے مناسبت رکھتی ہو۔ مزید برآں شریعت نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ کیا شرائط ہیں جو کسی شخص کو قاضی کے منصب پر مقرر کرنے میں ملحوظ رکھنی چاہئیں۔ ان شرائط میں سے بعض فقہاء کے نزدیک ایک شرط یہ بھی ہے کہ قاضی کو مجتہد ہونا چاہیے، یعنی اسے قانونِ شریعت کا انا علم اور تجربہ ہو کہ وہ پیش آمدہ حالات پر احکام کو منطبق کرنے میں اجتہاد سے کام لے سکے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ حدود اور قصاص کے معاملات میں تو مقررہ سزاکے لیے ایک قطعی متعین معیار موجود ہے جس میں مجرم کے حالات کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اور تعزیری سزائوں کے معاملہ میں جو معیار رکھا گیا ہے

لہٰذا یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ اگر کوئی قاضی کسی معاملہ میں اجتہاد سے قاصر ہو تو وہ اس معاملے کو کسی برتر عدالت کی طرف منتقل کر سکتا ہے۔ نیز اصولِ اجماع (CONSENSUS) کے مطابق اسلامی ریاست کی مقننہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ تعزیری جرائم کے لیے تفصیلی طور پر سزائیں بطور ضابطہ مقرر کر کے قاضیوں کے ان وسیع اختیارات کو محدود کر دے۔ اسلامی قانون کے ابتدائی دور میں خلیفہ کی مجلسِ شوریٰ کو یہی مقام حاصل تھا۔ بعد کے ادوار میں اس قانون کا ارتقاء قضاة کے قانون (JUDGE MADE LAW) کے طور پر ہوا جس میں قاضی لازماً ایسے مجتہد ہوتے تھے جن کا مرتبہ اجتہاد و عوام الناس میں مسلم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ لوگ موجودہ دور کی مجالسِ مقننہ کے ممبروں سے، کم از کم قانون کے معاملہ میں، بدرجہا زیادہ عوام کے معتد علیہ ہوتے تھے۔ لہٰذا ان کے استعمال کردہ اختیارات کو کسی صورت میں بھی ٹکمانہ نہیں کہا جاسکتا جس طرح آج ہم کسی مقننہ کے پاس کردہ قوانین کو ٹکمانہ نہیں کہہ سکتے۔ (منزوم)